اسلام میں عدلیہ کی آزادی کا تصور

ڈاکٹر انوار اللہ ☆

اسلام نے عدل کے غیر جانبدارانہ نفاذ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور غیر جانبدارانہ عدل کو اسلامی انتظامی ڈھانچے کا ایک لازمی جزء قرار دیا ہے۔ اسلام میں عدل کا نظریہ ایسے اصولوں پر قائم ہے جو رنگ و نسل، معاش و معاشرت، زمان و مکان، دوست و دشمن، مسلم اور غیر مسلم، مالدار اور غریب اور اونچے درجے اور نچلے درجے کے شہری ہونے جیسی قیود سے آزاد ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق عدل میں سب برابر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یاایها الذین آمنوا کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفکسم أوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فالله أولی بهما"(۴:۱۳۵)

(اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کیلئے سچی گواہی دو خواہ وہ تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر خدا دونوں کا خیر خواہ ہے۔ پس تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑو)

غیرجانبدارانہ عدل کے حصول کیلئے اسلام نے عدلیہ کی آزادی پر زور دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" یایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامرمنکم فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر ذلک خیر و احسن تاویلا"(۴:۵۹)

(مومنو خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے

☆ سینئر ایڈوائزر، وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد

رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے)

یہ آیت اس نقطہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ حاکم اور محکوم دونوں اسلامی قانون کے تابع ہیں۔ اور اگر ان کے درمیان کوئی تنازعہ کھڑا ہوجائے تو لازمی طور پر یہ عدلیہ کے ایک ایسی عدالت میں پیش کیا جائے جو قرآن اور سنت میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق اس کا فیصلہ کرے۔ اس لئے اس آیت کریمہ کی صحیح تنفیذ کیلئے ضروری ہے کہ شہریوں کے آپس کے تنازعات اور شہریوں اور حکمرانوں کے درمیان تنازعات کے نمٹانے کیلئے ایک خودمختار عدلیہ موجود ہو۔

قرآن کریم اور سنت نبویؐ دونوں میں عدلیہ اور اس کی آزادی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

"ان اللہ یامرکم ان تودوا الامنٰت الیٰ اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم به ان اللہ کان سمیعا بصیرا" (۴:۵۸)۔

(خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انکے حوالے کردیا کرو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔ بے شک خدا سنتا (اور) دیکھتا ہے۔)

اسلام نے سارے لوگوں کے ساتھ یکساں طور پر بغیر کسی استحصال اور جانبداری کے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یایها الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون" (۵:۸)

(اے ایمان والو! خدا کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہوجایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف

چھوڑدو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے)

اسلام نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جو لوگ معاشرے میں قاضی کی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں ان میں صرف یہ ضروری نہیں ہے کہ دور اندیش اور خاطرخواہ اسلامی علم رکھتے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تقوی دار' دیانتدار' غیرجانبدار اور مخلص بھی ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم جنت میں جائیں گے اور باقی دو قسم جہنم میں جائیں گے۔ وہ شخص جو جنت میں جائیگا وہ ہے جو سچ کو سمجھ سکے اور اس کے مطابق فیصلہ دے۔ اور جو سچ کو جاننے کے بعد صحیح فیصلہ نہیں دے گا وہ جہنم میں جائیگا۔ اس طرح وہ قاضی جس نے لاعلمی میں فیصلہ دیا وہ بھی جہنم میں جائیگا۔ (۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قاضی کی حیثیت سے تمام مقدمات کے فیصلے انصاف اور غیرجانبداری سے دیتے تھے۔ میثاق مدینہ کے تمام فریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف اور غیرجانبدارانہ رویہ سے اتنے متاثر تھے کہ مسلمان' یہودی اور مشرک سب اس بات پر متفق ہوگئے کہ وہ اپنے تنازعات تصفیہ کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں گے۔
یہ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان تنازعہ پیش آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت فراہم کی۔ (۲)

اسلام کے ابتدائی زمانے میں عدالتی اور انتظامی دونوں اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے گورنروں کے پاس ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں آپؐ نے چند اہل افراد کو ملک کے مختلف علاقوں میں قاضیوں کی حیثیت میں مقرر فرمایا۔ جنہوں نے عدلیہ کو انتظامی امور سے کسی حد تک الگ رکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تعیناتی کے بعد وہ فیصلے دینے میں مکمل طور پر آزاد ہوتے تھے کہ جو مقدمات ان کے سامنے پیش ہوں وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کا فیصلہ دیں۔ آپ ﷺ نے ان کو ہدایات جاری کیں۔ کہ وہ فریقین کی نشست و برخاست' سوالات کرنے' ان کے ساتھ توجہ اور خطاب کرنے میں حد درجہ مساوات رکھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے مقرر کردہ قاضیوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ اور عدلیہ کی آزادی کے بہت خواہاں تھے۔ آپ ﷺ عدل کے نفاذ کے سلسلے میں تمام قاضیوں کیلئے ایک نمونہ تھے۔ عدل تمام لوگوں کیلئے ہے۔ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے ساتھ ان کی سیاسی' سماجی اور مذہبی لحاظ کئے بغیر مساویانہ سلوک کیا جائے۔ فیصلہ پورے احتیاط کے ساتھ دونوں فریقوں کی شہادتوں کے بعد سنایا جائے۔ اور جرم کی نوعیت کو مدنظر رکھ کر سزا دی جائے۔ (۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عملاً عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کردیا گیا۔ اور ملک کے تمام صوبوں میں مستقل قاضی مقرر کردیئے گئے اور صوبوں کے قاضی گورنروں کے ماتحت نہیں تھے بلکہ خلیفہ براہ راست ان کو تعینات کرتے۔ (۴)

حضرت عمرؓ اور ابی بن کعب کے درمیان ایک تنازعہ پیش آیا۔ وہ مقدمہ کو زید بن ثابتؓ کی عدالت میں لے آئے۔ زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ کے قاضی تھے وہ عمرؓ کے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کی آمد پر اپنی کرسی سے اٹھے۔ حضرت عمرؓ کو زیدؓ کی یہ ناقابل معافی تفریق پسند نہیں آئی اور اسے اپنے عہدے سے اسی وقت برطرف کردیا۔ (۵)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک گھوڑا خریدا اور ایک گھوڑ سوار سے گھوڑے کی حالت دریافت کرنے کیلئے اس پر سوار ہونے کی اجازت دی اس دوران گھوڑا زخمی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو واپس کرنا چاہا۔ جبکہ مالک نے انکا کردیا آخر یہ مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ "اگر گھوڑے کو سواری کی غرض سے مالک کی اجازت پر استعمال کیا گیا ہے تو واپس کردیا جائے گا ورنہ نہیں" اس فیصلے سے حضرت عمرؓ اتنے خوش ہوئے کہ انہیں کوفے کا قاضی مقرر کردیا۔ (۶)

حضرت عمرؓ نے غیرجانبدارانہ عدل کے نفاذ کیلئے سنہرے اصول وضع کئے تھے۔ بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک خط میں قاضیوں کو ہدایات کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ کے حمد و ثناء کے بعد نظام قضاء کا قیام ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسی سنت ہے۔ جس کا ہمیشہ اتباع کیا گیا ہے لہٰذا جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو تو تم اس کو اچھی

طرح سمجھ لو اس لئے کہ جو حق نافذ نہ کیا جاسکے اس کے بارے میں بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی نشست برخاست اور چہرے کے تاثرات تک میں لوگوں کے درمیان برابری اور مساوات قائم رکھو تاکہ کوئی باثر آدمی یہ امید نہ رکھے کہ تم سے کسی کے خلاف کوئی زیادتی کرائے گا اور کوئی کمزور شخص اس سے مایوس نہ ہو کہ اس کو تمہارے ہاں سے عدل و انصاف ملے گا اور کوئی کمزور تمہاری سختی سے خوفزدہ نہ ہو۔ (۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے خلیفہ تھے جس نے قاضیوں کیلئے معقول تنخواہ مقرر فرمائی تھی مثلاً" قاضی شریح اور سلیمان ابن ربیع کو ماہانہ پانچ سو درہم دیئے جاتے تھے۔ اور تمام قاضیوں کو کسی قسم کی تجارت میں حصہ لینے سے منع کردیا گیا تھا۔ (۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے صاحب فراست اور قابل لوگوں کو قاضی مقرر کیا جن کی پوری اسلامی دنیا میں عزت کی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے مشہور کاتب تھے۔ کعب بن ثور الازدی ایک ماہر قانون دان تھے جسے بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ جبکہ عبادہ بن صامت کو فلسطین میں تعینات کیا گیا جو قرآن کریم کے حافظ تھے۔ اسے یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پہلے حافظ قرآن تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ایک بہت بڑے فقیہ تھے اسے کوفہ کا قاضی مقرر کردیا گیا تھا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ حنفی مذہب کے حقیقی بانی ہیں۔ اس طرح دوسرے مشہور اور بلند پایہ قاضیوں میں قاضی شریح، جمیل بن معمر، ابو مریم الحنفی، سلیمان بن ربیع الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیع اور ابو قرات الکندی شامل ہیں۔ (۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آزاد عدلیہ کے عمل کو جاری رکھا۔ ایک مرتبہ آپ اپنی ایک زرہ کھو بیٹھے بعد میں اسے ایک یہودی کے ہاں پالیا۔ آپؓ نے قاضی شریح کی عدالت میں یہودی کے خلاف مقدمہ درج کیا اور دعویٰ کیا کہ یہودی کے پاس جو زرہ ہے وہ میری ہے۔

جب دونوں فریق قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوئے تو حضرت علیؓ نے دو گواہ پیش کیے۔ ان میں سے ایک آپ کا بیٹا حضرت حسنؓ اور ایک آپ کا غلام قنبر تھا۔ قاضی شریح نے دونوں

گواہوں کو قبول نہیں کیا۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قابل قبول گواہ پیش نہ کرسکے تو قاضی شریح نے آپ کے خلاف حکم صادر فرمایا۔ (۱۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتربن مالک نخعی حاکم مصر کو اپنے ایک خط میں قاضیوں کی تقرری اور طریقہ کار کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے لکھا "جہاں تک عدل و انصاف کی فراہمی کا تعلق ہے۔ آپ کو قاضی مقرر کرنے میں نہایت محتاط ہونا چاہئے۔ آپ ایسے اشخاص کو قاضی مقرر کریں جو بہترین اخلاق' بلند پایہ علم اور بے داغ ماضی کے مالک ہوں۔ قاضیوں میں مندرجہ ذیل صفات ہونی چاہئیں۔

مقدمات کی کثرت اور پیچیدگی سے ان کی طبیعت میں سستی نہ ہو۔ جب وہ اپنے فیصلوں میں غلطی کا احساس کرتے ہوں تو وہ رجوع کرنے والے ہوں اور حق کے ظاہر ہوجانے کے بعد ان کے سامنے صحیح راستہ کھل جائے تو انہیں اپنا فیصلہ درست کرنے میں عار محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ قاضی بدعنوان' طماع اور چالاک نہ ہوں۔ قاضی کو سطحی تفتیش سے مطمئن نہیں ہونا چاہئے بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ مقدمہ کی تہہ تک جائیں اور ہر ہر جزیہ کو پورے احتیاط کے ساتھ جانچ لیں۔ جب اور جہاں وہ شک یا ابہام کو محسوس کریں وہاں اسے رکنا چاہئے۔ اور پھر تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے۔ تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو۔ تب حکم صادر کرنا چاہئے۔ انہیں بحث' دلائل اور ضروری نکات کو اہمیت دینی چاہئے۔ ان کو طویل مباحثات اور دلائل سے نہیں تھکنا چاہئے۔ اور تفصیلات معلوم کرنے کیلئے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ اور اپنا فیصلہ بلا خوف و خطر غیر جانبداری سے صادر کرنا چاہئے۔ یہ ایسے لوگ ہوں۔ جنہیں نہ تعریف بے خود کرے اور نہ چاپلوسی مائل کرے۔

تمہارا فرض ہے کہ اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو کھلے دل سے انہیں معاوضہ دو تاکہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور کسی کے سامنے انہیں ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اپنے دربار میں انہیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا انہیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہوسکے۔ قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہئے۔ اس بارے میں پوری توجہ سے کام لینا چاہئے۔ (۱۱)

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فریقین مقدمہ کے متعلق اپنے قاضیوں کو جو ہدایات جاری کیئے ہیں۔ یہ نظائر عدلیہ کی عزت و احترام اور آزاد حیثیت کے ثبوت کیلئے قوی دلیل ہیں۔ ان نظائر سے یہ بھی باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ قاضی ہر فرد حتی کہ حاکم کے خلاف بھی مقدمہ کی سماعت کرسکتا ہے۔ اسلامی حکومت میں عدلیہ کی یہ خصوصیت آزاد عدلیہ کیلئے ایک نمونہ ہے۔

خلفائے راشدینؓ کے دور میں اسلامی حکمرانی کے زرین اصول میں سے ایک نمایاں اصول یہ بھی ہے کہ خلیفہ قاضی کو مقرر فرماتے لیکن تقرری کے بعد ان پر عدالتی فرائض سے متعلق کوئی دباؤ نہ ہوتا تھا۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا افسر بھی عدلیہ کے کام میں مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔ حتی کہ قاضیوں نے بہت سے موقعوں پر خلیفہ کے خلاف بھی فیصلے صادر کیئے ہیں۔ (۱۲)

بنوامیہ کے زمانے میں عدلیہ کو خاطر خواہ آزادی دی گئی تھی۔ اور ان کے عدالتی فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی۔ اور اموی حکومت کے بانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قاضی مقرر کرکے اپنے عدالتی فرائض ان کے سپرد کئے۔ اس لئے اس زمانے میں عدلیہ کو مکمل طور پر آزادی اور خودمختاری حاصل تھی۔ (۱۳)

بنوعباس کے زمانے میں بھی عدلیہ کی آزادی کو بحال رکھا گیا۔ البتہ اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ عدلیہ میں قاضی القضاۃ کا ایک نیا منصب قائم کردیا گیا۔ اور امام ابویوسف کو پورے اسلامی ملک کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سپین میں بھی اسلامی حکومت میں قاضی القضاۃ کا عہدہ ہوتا تھا۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ملک کے مختلف حصوں کیلئے قاضیوں کی تقرری، تبادلے، معزولی، ان کی عدالتی کاروائی کی جانچ پڑتال اور ان کے معاملات کی نگرانی کرے۔ خلیفہ قاضی القضاۃ کے عدالتی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے اور وہ قاضی القضاۃ کے قاضیوں کی تقرری، تبادلے، معزولی اور ان کے فرائض منصبی کے متعلق مشوروں پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی حکومت کے آخری دور تک یہ عمل جاری رہا۔ (۱۴)

عباسی دور میں ایک خاص قسم کی عدالت قائم کی گئی تھی جسے دیوان مظالم کہا جاتا تھا۔ اور اس کو حکومتی اہلکاروں کے خلاف شکایات کے متعلق فیصلہ دینے کا اختیار حاصل تھا۔ اور اس کو یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف متاثرہ فریق کی اپیل بھی سنے اس قسم کی

عدالت ابتدائی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم ہوئی تھی۔ آپؐ نے رشید ابن عبداللہ کو حکومتی اہلکاروں کے خلاف شکایات سننے اور فیصلہ کرنے کیلئے تعینات فرمایا تھا۔ لیکن اموی دور میں خلیفہ خود خاص دنوں میں بیٹھ کر حکومتی عہدہ داروں کے خلاف شکایات سنتے اور فیصلہ صادر فرماتے تھے۔ عباسی دور کے وسط میں دیوان مظالم خلافت سے الگ کر کے متعلقہ قاضی کے اختیار میں دے دیا گیا۔ یہ ایک مضبوط قسم کی عدالت تھی۔ جس کے پاس قاضی کے اختیارات کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے اختیارات بھی ہوتے تھے۔ یہ دوسری عدالتوں کی طرح نہیں تھی بلکہ مظالم کا دائرہ اختیار عام قسم کا ہوتا تھا۔ کیونکہ جب دیوان مظالم کے قاضی تمام حکومتی اداروں کے متعلق شکایات سنتے اور فیصلہ دیتے ہیں تو اس کا اختیار محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر اسے کسی خاص علاقے میں محدود کیا جائے تو صرف اس محدود علاقہ سے متعلق ہر قسم کی شکایات سن سکتے ہیں۔ دیوان مظالم کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ حکومت کو یقین ہوجائے کہ بااثر حکومتی ارکان اپنے عہدوں کی وجہ سے قانون سے فرار اختیار کرنے یا اس میں رکاوٹ بن کر قانون کو توڑنے کی کوششوں سے باز آئیں۔ دیوان مظالم اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ تھا جو شہریوں اور حکومتی اداروں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ ماتحت عدالتوں کیلئے ایک ہائی کورٹ کی حیثیت بھی رکھتا تھا جو ان کے فیصلوں کے خلاف دائر کردہ اپیلوں کی سماعت کرتا تھا۔ اس لئے یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے کہ بہت سے مؤلفین نے دیوان مظالم کو ایک اپیل کورٹ یعنی ہائی کورٹ تصور کیا تھا جو کہ عدلیہ کا ایک ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا مزید براں اس دیوان کے اختیارات سے یہ منعکس ہوجاتا ہے کہ ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ عدلیہ بااختیار ہو اور حکومت کو یقین ہوجائے کہ عدلیہ قانون کے مطابق کام کر رہی ہے۔ عباسی ریاست میں اس مضبوط ترین عدالتی ادارے کے قیام سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس قسم کے اپیل کورٹ سے ملک کی تنظیمی شکل میں عدلیہ کو ایک منفرد حیثیت دی گئی تھی۔ (۱۵)

فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عدلیہ میں اہل افراد کو بحیثیت قاضی تعینات کیا جائے گا۔

حنبلی مذہب کے مشہور فقیہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

"قاضی میں یہ صفات ہونی چاہئیں کہ وہ اپنی قوت فیصلہ میں شدت کے بغیر مضبوط ہو اور

کمزوری کے بغیر ایسا نرم ہو کہ کوئی بااثر شخص اپنی طرفداری کا طمع نہ رکھے اور ایک کمزور شخص انصاف سے مایوس نہ ہو' وہ ذہین باخبر اور دھوکہ کھانے والا نہ ہو۔ قوت سماعت و بصارت صحیح ہو۔ اس علاقے کے لوگوں کی زبان (بولیوں) سے واقف ہو۔ وہ پرہیزگار' معتدل' خوش مزاج اور تازہ دم ہو۔ چالاک نہ ہو۔ قول کا سچا ہو۔ رائے دینے اور مشورہ کرنے کا اہل ہو۔ وہ نرم گو اور سنجیدہ ہو اور اپنے وعدہ کا پاس رکھتا ہو۔ سرکش اور ترش مزاج نہ ہو۔ (۱۶)

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عدلیہ کی آزادی سے متعلق سعودی عرب کے عدالتی انتظام سے متعلق قانون کا پہلا باب یہاں نقل کیا جائے۔ وہ یہ ہے۔

باب اول

عدلیہ کی آزادی اور اس کی ضمانتیں

۱۔ قاضی آزاد ہوں گے۔ ان پر انتظامی اور عام تنازعات کے تصفیہ کرنے میں کوئی دباؤ نہیں ہوگا۔ کوئی بھی شخص ان کے عدالتی امور میں مداخلت نہیں کرے گا۔

۲۔ قاضی اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کئے جائیں گے الا یہ کہ اس طریقہ کار کے مطابق ہو جو اس مجموعہ قانون میں موجود ہے۔

۳۔ دفعہ نمبر ۵۵ کے لوازمات کے استثنٰی کے ساتھ قاضیوں کو ان کی مرضی کے بغیر کسی دوسری جگہ تبدیل نہیں کیا جائیگا۔ البتہ اگر اس مجموعہ قوانین کے مطابق ان کی ترقی مقصود ہو۔

۴۔ قاضی کو گرفتار نہیں کیا جائے گا البتہ قواعد کے مطابق قاضیوں کو ڈسپلن اور اخلاق کی وجہ سے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ (۱۷)

۵۔ معاصر عالم ڈاکٹر عبدالقادر ابوفارس عدلیہ کی آزادی کیلئے اسلامی مملکت کو مندرجہ ذیل سفارشات تجویز کرتے ہیں:

۱۔ جو شخص بحیثیت قاضی تعینات کیا جائے۔ وہ ضرور اس کا اہل ہو۔ اسلامی قانون کا وافر علم رکھنے والا ہو۔

۲۔ قاضیوں کی تقرری ایک مقدس امانت ہے۔ اور اس حق کا استعمال پوری دیانتداری سے ہونا چاہئے۔ قابلیت کے بغیر تقرری ایک بڑا گناہ اور مستوجب سخت سزا ہے۔

۳۔ قاضی صحت مند، سنجیدہ، صاف گو اور ٹھنڈے مزاج کا شخص ہو۔

۴۔ سربراہ مملکت چیف جسٹس کے مشورے سے قاضیوں کا تقرر کرے۔

۵۔ سربراہ مملکت یا کسی اور انتظامی افسر کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ وہ کسی قاضی کو برطرف کرے یا اس کے عدالتی فیصلہ یا دوسرے ملازمتی امور پر اثرانداز ہوجائے۔

۶۔ قاضی کی ایک قابل احترام حیثیت ہونی چاہئے اور کوئی بھی انتظامی بوجھ اس کے راستے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۷۔ قاضی عدالت میں سخت غیرجانبداری کا مظاہرہ کرے اور ہر فریق کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے۔ خواہ ان میں سے ایک فریق طاقتور اور بااثر کیوں نہ ہو۔

۸۔ قاضی اسلامی احکامات کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ اور اپنی پسند و ناپسند یا نفرت اور محبت کو دخل نہ دے گا۔

۹۔ قاضی کو معقول معاوضہ دیا جائے گا تاکہ وہ بدعنوانی کی طرف مائل نہ ہوسکے۔

۱۰۔ قاضی بدعنوان، طامع اور لالچی نہ ہو۔ (۱۸)

پاکستان میں عدلیہ کی آزادی

برصغیر پر ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کی حکومت رہی، اور انہوں نے اس ملک کے نظم و نسق کو چلانے کیلئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نافذ کیا تھا۔ اس ایکٹ کا باب نمبر۹ عدلیہ سے متعلق ہے۔ برطانوی حکومت نے اس ملک میں اپنے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے عدلیہ کو انتظامیہ کے ماتحت رکھا۔ انتظامی سربراہ چیف جسٹس کی تعیناتی، تبادلہ اور برطرفی خود کیا کرتا تھا۔ انتظامی سربراہ کسی جج کے تعیناتی کے سلسلے میں چیف جسٹس یا کسی عدالتی ادارہ سے مشورہ کرنے کا پابند نہیں تھا۔ اس صورتحال میں جج صاحبان انتظامیہ سے متاثر ہوتے تھے اور آزادانہ طور پر بلاخوف و خطر فیصلہ نہیں دے سکتے تھے۔

آزادی ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء کے تحت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اس ایکٹ کے مطابق ایک دستور ساز اسمبلی تشکیل دی گئی جسے ملک کیلئے دستور سازی کے

اختیارات دیئے گئے اور ساتھ ہی وہ قانون ساز ادارہ بھی تھی۔ اس دستور ساز اسمبلی نے ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد "قرارداد مقاصد" پاس کیا۔ قرارداد مقاصد پاکستان میں ایک اسلامی حکومت کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس قرارداد میں عدلیہ کی آزادی کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ بدقسمتی سے گورنر جنرل غلام محمد مرحوم نے یہ اسمبلی آئین بنانے سے پہلے ۱۹۵۳ء میں توڑ دی۔ سندھ کے ہائی کورٹ نے گورنر کے اس اقدام کو غیرقانونی قراردیتے ہوئے اسمبلی بحال کردی لیکن وفاقی عدالت (سپریم کورٹ) نے مذکورہ فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت کرتے ہوئے ہائی کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔ البتہ گورنر جنرل نے وفاقی عدالت میں ایک ریفرنس دائر کیا جس میں انہوں نے نظریہ ضرورت کے پیش نظر اسمبلی توڑنے اور نئی اسمبلی بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس لئے وفاقی عدالت نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ لہٰذا ایک نئی اسمبلی معرض وجود میں آئی جس نے پاکستان کا پہلا آئین ۱۹۵۶ء میں بنایا۔ لیکن ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ ہوتے ہی یہ آئین منسوخ کردیا گیا۔ مارشل لاء کی حکومت نے ۱۹۶۲ء میں ایک اور آئین بنایا۔ جبکہ ایک دوسرے مارشل لاء کی وجہ سے یہ آئین بھی ۱۹۶۹ء میں توڑ دیا گیا۔ بالآخر قومی اسمبلی نے ۱۹۷۳ء میں متفقہ طور پر ایک آئین منظور کرلیا۔ یہ آئین آخری آئین ہے اور اب تک نافذ العمل ہے۔ اب قرارداد مقاصد آئین کا حصہ ہے۔ یہ قرارداد بنیادی حقوق پر مشتمل ہے۔ موجودہ آئین کے آرٹیکل ۱۷۵(۳) میں کہا گیا ہے کہ عدلیہ کو تین سال کے اندر انتظامیہ سے الگ کردیا جائے گا۔ ۱۹۷۶ء میں آئینی ترمیم نمبر۵ کے ذریعے اس معیاد کی مدت پانچ سال تک بڑھادی گئی اور پھر ۱۹۸۵ء میں ایک صدارتی فرمان نمبر ۱۴ کے ذریعے یہ مدت مزید چودہ سال تک بڑھا دی گئی۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے بمشکل چار سال ہوگئے تھے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء میں تیسرا مارشل لاء نافذ کردیا گیا البتہ اس مارشل لاء نے آئین کو منسوخ نہیں کیا۔

عدلیہ کے متعلق پاکستان میں ناسازگار حالات کے باوجود ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ یہ غیرجانبداری سے عدل و انصاف کو فراہم کرے۔ مثال کے طور پر سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں کہا ہے کہ بڑی عدالتیں آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۹۹ کے تحت اپنے اختیارات کو بھرپور طریقے سے استعمال کرسکتی ہیں۔ اور مارشل لاء حکمرانوں اور ان کے قائم کردہ عدالتوں کی کسی

بھی کارکردگی، حکم اور فیصلوں کی نظرثانی کرنے کی مجاز ہوں گی۔ (۱۹)

ایک اور اہم مقدمہ میں سپریم کورٹ نے ۱۹۹۳ء میں نہ صرف اسمبلی توڑنے سے متعلق صدارتی حکم کو کالعدم قرار دیا بلکہ وفاقی حکومت کو بھی بحال کردیا۔(۲۰)

سپریم کورٹ کے ۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء کا فیصلہ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی اور عدلیہ کی آزادی کیلئے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ ان متعدد آئینی درخواستوں پر صادر کیا جن میں بڑی عدالتوں کے ججوں کی تقرری اور طریقہ کار کو چیلنج کیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ عدلیہ کی آزادی سے متعلق ہے۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷۷ اور ۱۹۳ میں یہ الفاظ "چیف جسٹس سے مشورہ کے بعد"

" After Consultation with the Chief Justice "

کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشورہ موثر، بامعنی، بامقصد اور باہمی افہام و تفہیم سے ہو جس میں بے جا مداخلت یا ناجائز مقاصد کا کوئی دخل نہ ہو۔ کسی جج کی تعیناتی اور اہلیت کے متعلق چیف جسٹس ہائی کورٹ اور چیف جسٹس آف پاکستان کی رائے کو قبول کرلیا جائے گا۔ ہاں اگر اس کے خلاف کوئی معقول وجہ موجود ہو تو صدر یا انتظامیہ اسکی نشاندہی کرے گی۔ اور اگر سپریم کورٹ میں مستقل ججوں کی آسامیاں خالی پڑی ہوں تو کوئی عارضی جج مقرر نہیں کیا جائیگا۔ آئین کے متعلقہ آرٹیکل کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے قائم مقام چیف جسٹس کا مشورہ قابل التفات نہیں ہوگا۔ اس میں یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر مستقل چیف جسٹس نوے دنوں کے اندر اپنے فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہو۔ دستور کے آرٹیکل ۱۷۷ اور ۱۹۳ کے مطابق بڑی عدالتوں میں ججوں کی تعیناتی یا مستقلی کے متعلق مشورہ پر عمل کرنا لازمی نوعیت کا ہے اور اگر متعلقہ مشیر سے مشورہ لئے بغیر کسی جج کی تعیناتی یا مستقلی عمل میں لائی گئی تو یہ آئین کی خلاف ورزی ہوگی اور اس کو ناجائز تصور کیا جائے گا اور اگر صدر یا انتظامیہ نے ایسے شخص کو جج مقرر کیا جو متعلقہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور چیف جسٹس آف پاکستان کی نظر میں جج بننے کا اہل نہ تھا۔ تو آئین کے متعلقہ آرٹیکلز کے مطابق صدر/انتظامیہ کو حاصل اختیارات کا جائز استعمال نہ ہوگا۔ (۲۱) سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ عدلیہ کی آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوداوَد، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۱۳، طبع بیروت۔

۲۔ قادری، انوار احمد "Justice in Historical Islam" صفحہ نمبر ۱۳۔

۳۔ وکیع، محمد بن خلف بن حیان، اخبار القضاۃ، جلد نمبر ۱صفحات ۸۴ تا ۱۰۱، طبع بیروت۔

۴۔ ابوفارس، ڈاکٹر محمد عبدالقادر، القضاء فی الاسلام صفحہ ۲۰۶، طبع عمان۔ ۱۹۸۴ء۔

۵۔ قادری انوار احمد، "Justice in Historical Islam" صفحہ نمبر ۲۳۔ طبع لاہور۔

۶۔ شبلی نعمانی، الفاروق، صفحہ ۲۲۳ طبع لاہور۔

۷۔ وکیع، اخبار القضاۃ جلد ۱ صفحات ۷ ۔ ۷۲۔

۸۔ شبلی نعمانی، الفاروق صفحہ ۲۲۳۔

۹۔ ابوفارس، ڈاکٹر عبدالقادر، النظام السیاسی فی الاسلام صفحہ ۵۳۔

۱۰۔ ابوفارس، ڈاکٹر عبدالقادر، النظام السیاسی فی الاسلام صفحہ ۵۳۔

۱۱۔ عبدالحمید، شرح نہج ابلاغتہ جلد ۴، صفحہ ۱۳۰۔

۱۲۔ ابوفارس، عبدالقادر، القضاء فی الاسلام صفحہ ۲۰۵۔

۱۳۔ الطماوی، سلیمان محمد، السلطات الثلاث صفحہ ۲۳۶۔

۱۴۔ ابوفارس، عبدالقادر، القضاء فی اسلام صفحہ ۲۰۷۔

۱۵۔ الطماوی، سلیمان محمد، السلطات الثلاث صفحہ ۲۱۸۔

۱۶۔ ابن قدامہ، المغنی جلد ۹ صفحہ ۴۳۔

۱۷۔ (نظام القضاء) "Code of Adminstration of Justice" ص ۷، طبع سعودی حکومت، ریاض ۱۳۹۶ھ۔

۱۸۔ ابوفارس، ڈاکٹر عبدالقادر، القضاء فی الاسلام صفحات ۱۸۹، ۲۲۰۔

۱۹۔ پی ایل ڈی ۱۹۷۷ (Pakistan Law Decisions) سپریم کورٹ صفحہ ۶۵۷۔

۲۰۔ پی ایل ڈی، ۱۹۹۳ء، سپریم کورٹ صفحہ ۳۷۴۔

۲۱۔ پی ایل ڈی ۱۹۹۶ء، سپریم کورٹ صفحہ ۳۲۴۔